بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

[بار بار ارادہ کرتا ہوں کہ وقتی احوال و مسائل سے ہٹ کر کچھ اصولی مباحث چھیڑے جائیں
مگر حالات کا مدوجزر ہی ایسا شدید ہے کہ توجہ پھر پیش آمدہ مسائل پہ مرتکز ہو جاتی ہے]

سال رفتہ کے چند ایسے سرکاری فیصلوں کے سلسلے میں ضروری گذارشات پیش کرنا چاہتا ہوں، جن کے متعلق اگر توقعات پوری ہو جاتیں تو نظام اسلام کی طرف پیش قدمی کرنے میں حکام اور عوام دونوں کے حوصلے بڑھ جاتے۔ اصل میں فیصلوں کے ساتھ ایسی عملی تدابیر بھی پہلے سے متعین ہو جانی چاہییں جو ان فیصلوں کی کامیابی کی ضامن ہوں۔

مثلاً پہلے ہم عہد نامے کو لیتے ہیں۔

"عہد نامہ" جب آیا تھا اور شائع و ذائع ہوا تو بڑی امیدیں تھیں کہ یہ ایک سرسری سی وقتی چیز بن کے نہیں رہ جائے گا بلکہ زندگی کے مختلف دائروں میں یہ عملی اہمیت اختیار کرلے گا۔ مگر ہوا یہ کہ اوراق پہ لکھا ہوا عہد نامہ ہوا کی موجوں کے حوالے ہو گیا اور جن لوگوں نے اسے بظاہر اپنایا، ان میں سے ماسوا ان کے جو پہلے ہی سے اس عہد نامے کے مفہوم کے مطابق زندگی گذار رہے تھے، باقی سب کے ہونٹ تو حرکت میں آئے لیکن دل و دماغ بدستور محوِ خواب رہے۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ سوائے اللہ کے کوئی بھی طاقت و تدبیر دلوں کو تبدیل نہیں کر سکتی، مگر جب کوئی حکومت داعیٔ اصلاح ہو تو وہ نظامِ حیات اور اپنی مشینری اور قوم کے تمدن میں ایسے

مقامات و مواقع ڈھونڈ لیتی ہے جہاں کسی نئی چیز کو نصب کرنے سے اس کی برکت و افادیت بڑھ جاتی ہے۔

مثلاً میری رائے میں عہدنامہ کو حسبِ ذیل صورتوں میں استعمال میں آنا چاہیے تھا:۔

۱۔ کوئی بھی شخص جو کسی سرکاری یا نیم سرکاری ملازمت میں آتا، یا ایک مرتبے سے ترقی کر کے نئے منصب پر پہنچتا تو اس کے لازم ہوتا کہ وہ وہاں کے دوسرے ملازمین کے اجلاس میں اپنے افسرِ بالا کے سامنے اس معاہدے کو پڑھے۔

۲۔ خاص طور پر کوئی وزیر یا سکرٹری یا جج اپنی ذمہ داریاں سنبھالنے کے موقع پر اس عہدنامے کی پابندی کا اقرار کرتا۔

۳۔ ہر نکاح کے وقت کلمہ طیبہ (یا دوسرے کلمات) کے ساتھ، اس عہدنامے کو بھی کلمے کے تقاضوں کا ترجمان ہونے کی حیثیت سے لازماً مجلسِ نکاح کے سامنے دولہا بھی پڑھتا، اور دلہن بھی خواتین کے حلقے میں اسے دہرا کر تازہ کرتی۔

۴۔ میٹرک سے اوپر کالجوں میں داخلہ کے وقت، یا داخلہ کی منظوری ہونے کے بعد، کسی خاص تقریب یا اسمبلی میں ہر طالب علم کے لیے اور محکمانہ تربیت گاہوں اور کورسوں کے شرکاء کے لیے اس کی خواندگی کرنا ضروری ہوتا۔

۵۔ مزدوروں، طلباء، صحافیوں اور دوسرے مشاغل سے وابستہ لوگوں کی یونینز کے عہدوں پر ہر انتخاب کے بعد آنے والے اصحاب عام حلف کے ساتھ اس عہدنامے کو بھی شامل کرتے۔

ایسی صورتیں اور بھی ہو سکتی ہیں۔ ان کے ذریعہ یہ عہدنامہ نہ صرف معاشرے میں رچ بس جاتا، بلکہ اسے قبول کرنے والوں کی طرف سے کسی بڑی خلاف ورزی کی صورت میں ان سے باز پرس بھی کی جا سکتی۔

دوسرا اہم معاملہ اقامتِ صلوٰۃ کا ہے۔

اس سلسلے میں بھی ایک عام سی اپیل جاری ہو گئی اور بس۔ حالانکہ سرکاری اور غیر سرکاری ادارات کے ذریعے بہت مؤثر کام ہو سکتا تھا جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ مثلاً:۔

۱۔ تمام اسکولوں، دفتروں اور اداروں کے سربراہوں کے سر یہ ذمہ داری ڈالی جاتی کہ وہ اپنے دائرے میں اقامت کا پورا اہتمام کریں، جس بھی نماز کا وقت دفتری اوقات میں آئے اُسے تمام کارکنان اور افسران باجماعت ادا کریں۔ اور شریک نہ ہونے والوں سے اوّلاً بازپُرس کی جائے، پھر جرمانہ کیا جائے، تبادلہ کیا جائے، لیکن اگر وہ کسی طرح اپنے آپ کو نہ بدلیں تو انچارج افسر اُن کی ملازمت ختم کرنے کی رپورٹ کرے۔

جس اسکول یا دفتر یا ادارے میں حسن و خوبی سے اقامتِ صلوٰۃ کا اہتمام ہو اور سب لوگ عملاً حصّہ لیں، اُس کے افسر اعلیٰ کے ریکارڈ میں اس خاص معاملے میں اچھا ریمارک دیا جائے، اور جہاں صورت برعکس ہو وہاں نااہلیت کا ریمارک دیا جائے اور ان ریمارکس کا ترقی وغیرہ کے معاملات میں اثر پڑے۔

۲۔ تمام جیلوں کے لیے حکم جاری کر دیا جائے کہ وہاں ایک جگہ اگر مناسب نہ ہو تو الگ الگ بیرکس میں نماز باجماعت کا اہتمام کیا جائے اور جو قیدی باقاعدگی سے نماز پنجگانہ ادا کرے اسے دوسری معافیوں کے علاوہ اقامتِ صلوٰۃ کی بنا پر مزید سالانہ معافی دی جائے۔ جو قیدی تارکِ صلوٰۃ ہوں، ان کی دوسری معافیاں بھی روک دی جائیں۔

۳۔ کارخانوں اور دیگر بڑے بڑے صنعتی و تجارتی اداروں اور اُن کے دفتروں کے لیے بھی لازم قرار دیا جائے کہ وہاں بھی (جس نماز کا وقت آئے اس کے لیے) نماز باجماعت کا انتظام ہو۔

۴۔ سیاسی یا سوشل یا علمی و ادبی قسم کے اجتماعات پبلک مقامات پر منعقد ہوں یا لوگ کسی قومی تقریب کے لیے جمع ہوں، وہاں بھی (نماز کا وقت بیچ میں یا شروع یا آخر میں آنے کی صورت میں) اقامتِ صلوٰۃ کا انتظام کیا جائے اور پروگرام کے ساتھ ساتھ اس انتظام کا بھی اعلان کیا جائے۔

۵۔ طلبہ کے کیریکٹر سرٹیفکیٹ کے دو لازمی جز ہوں: پہلا پابندیٔ نماز، دوسرا مجموعی اخلاقی رویّہ اور ڈسپلن کی پابندی وغیرہ۔ کوئی کیریکٹر سرٹیفکیٹ قابلِ قبول نہ ہو جب تک کہ اس میں پابندیٔ نماز کی تصدیق نہ کی گئی ہو۔

۶۔ اُوپر کے بعض جملوں کا اقتضا از خود یہ ہے کہ ملازمین کی شرائط ملازمت کا ایک جزو یہ ہو کہ وہ نماز پابندی سے ادا کرے گا۔

۷۔ کوئی ایسا شخص وزیراعظم یا عام وزیر یا کسی اسمبلی کا رکن اس وقت تک رہے گا جب تک کہ اس کا

نماز ادا کرنا معلوم عام ہو۔ کسی تارکِ نماز کو اسلامی ریاست کی قیادت یا اُس کے عوام کے منصبِ نمائندگی پر فائز رہنے کا کوئی حق نہیں۔

بظاہر ان میں بعض تجاویز خاصی سخت ہیں۔ اگر کوئی حکومت ایک خاص وقت میں زیادہ آگے نہ جا سکے تو کم از کم چند ضروری اقدامات تو اسے لازماً کرنے چاہییں۔

اس اسکیم کی کامیابی میں ذرائع ابلاغ کی مدد شامل رہنی چاہیے۔ وقتاً فوقتاً پروگراموں کے اندر بھی اور پروگراموں سے باہر بھی ایسی آیات، ایسی احادیث، ایسے اشعار اور خاص خاص شخصیتوں کے ایسے اقوال نشر ہونے چاہییں جو دلوں پر اثرانداز ہوں۔ ایسی نشریات میں رسمیت اور خانہ پُری کا انداز نہ ہونا چاہیے۔ اخبارات میں جس طرح بڑے تسلسل سے ٹریفک کے قواعد کی پبلسٹی کی گئی تھی، اسی طرح نماز کے لیے بھی انتہائی خوب صورت طریقوں سے پبلسٹی ہونی چاہیے۔ ایسی پبلسٹی کی پلاننگ خاص اہتمام سے کی جائے تاکہ اس میں واعظانہ انداز پیدا نہ ہو، بلکہ ادبی زور کے ساتھ مخلصانہ انداز سے اپیل کی جائے۔

ایک اور قابلِ توجہ معاملہ سرکاری محکموں اور دفتروں کے مصارف کو کم کرنے اور بچت دکھانے کا ہے۔ یہ چیز بھی ایسی نہیں کہ محض تلقین کر دی جائے بلکہ اس کے لیے بھی ٹھوس اور محسوس طریقے اختیار کرنے چاہییں۔

سب سے پہلے دو ایک ایسے امور جو ہم جیسے سرسری نگاہ رکھنے والے لوگ بھی جانتے ہیں۔ ایک تو بڑا اہم معاملہ یہ ہے کہ گرمیوں میں برف اور سردیوں میں کوئلہ دفاتر میں کم استعمال ہوتا ہے اور گھروں میں زیادہ منتقل کیا جاتا ہے۔

دفاتر کی اسٹیشنری میں بعض مدات ایسی ہیں جن پر لاکھوں روپے اُٹھ جاتے ہیں مگر عملاً مصارف بے معنی ہوتے ہیں۔ مثلاً قلمدان، دواتیں، روشنائی اور ہولڈر جو برسوں قبل استعمال ہوتے تھے، اب بھی خریدے جاتے ہیں۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا ملازم بھی فونٹین پین ہی استعمال کرتا ہے اور ہولڈر دوات سے کوئی بھی نہیں لکھتا۔ یہ چیزیں گھروں میں لے جا کر بچوں کے حوالے کر دی جاتی ہیں۔ کسی نے اس چیز کا کئی برس سے کبھی نوٹس نہیں لیا۔

یوں بھی اسٹیشنری کی مد ایسی ہے کہ جس میں سے لوگ ایک حصّہ اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے ضرور اُڑا لے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس مد پر کڑی نظر رکھنا ضروری ہے۔

پھر ہماری توجہ ٹیلیفون کے استعمال پر جاتی ہے۔ سرکاری دفتروں کے ٹیلیفونوں کا یہ فیضِ عام ہے کہ ایک چپڑاسی اور چوکیدار بھی ٹرنک کال کرا لیتا ہے یا ڈائرکٹ ڈائلنگ سے مستفید ہوتا رہتا ہے۔ اس مد میں خرچ کا اگر انضباط کیا جائے تو شاید مصارف ایک تہائی رہ جائیں۔

اس کے علاوہ بہت بڑی مد گاڑیوں کے استعمال کی ہے۔ گاڑیاں دفتری کاموں کے علاوہ بہت زیادہ استعمال ہوتی ہیں۔ ذاتی اور نجی ضرورتوں ہی کے لیے نہیں، سیر و تفریح کے لیے بھی۔ پٹرول کا خرچ بھی بے محابا ہوتا ہے اور ان سے بہت بُرا سلوک کیا جاتا ہے۔ اس معاملے کو بھی اگر کنٹرول کر لیا جائے تو بڑی کفایت ہوگی۔

سفر خرچ کی مد بھی قابلِ توجہ ہے۔

اس طرح کے تمام امور پر قابو رکھنے کے ساتھ ساتھ ہر دفتر سے ہفتہ وار یا ماہانہ یہ رپورٹ طلب کی جائے کہ مختلف مدّات کے تحت کتنی بچت پیدا کی گئی۔ دفتر اپنے تمام کارکنوں سے انفرادی رپورٹیں لے کہ اُن کے ذریعے جو مصارف اُٹھتے ہیں اُن میں کیا کمی آئی۔

جب تک رپورٹ حاصل کرنے کا یہ طریقہ اختیار کر کے مختلف اداروں اور دفاتر اور افراد کا رکو تقابلاً نہ دیکھا جائے کہ کس کا کیا پارٹ ہے، اس وقت تک ہر فیصلہ ایک اپیل کی حیثیت رکھتا ہے۔

ایک مسئلہ زکوٰۃ کا ہے۔

زکوٰۃ کی رضاکارانہ ادائیگی کی اسکیم کا تجربہ اگر کرنا ہی ہو تو اس کے لیے حسب ذیل تدابیر ضروری ہیں

۱۔ زکوٰۃ، صدقے اور انفاق کے متعلق آیات و احادیث اور بعض مثالی واقعات کو نشر و ابلاغ کے ذرائع سے سامنے لایا جائے۔ نیز پمفلٹوں اور پوسٹروں کے ذریعے لوگوں میں اپنائے زکوٰۃ کا جذبہ اُبھارا جائے۔

۲۔ اس سلسلے میں بہترین معیار کی مؤثر پبلسٹی بڑی ضروری ہے۔ مثلاً یتیم بچوں اور بیواؤں کے

دردناک حالات کا نقشہ کھینچ کر، یا غریب مریضوں کے مصائب کا تصور دلا کر، یا مالی وجوہ سے تعلیم سے محروم رہ جانے والے نوجوانوں کے لیے اپیل کر کے اغنیاء کو بتایا جا سکتا ہے کہ آپ کے صدقات غریبی و محرومی میں ڈوبتی ہوئی اکثریت کو بچا سکتے ہیں۔ ایسی پبلسٹی تنوع کے ساتھ اخبارات میں بھی اور ریڈیو اور ٹیلی وژن کے ذریعے بھی مسلسل جاری رکھی جائے۔

۳۔ بعض مالدار اشخاص کو خاص طور سے توجہ دلائی جانی چاہیے کہ آپ زکوٰۃ فنڈ میں کوئی بڑی رقم داخل کر کے مثال قائم کریں۔

۴۔ جو شخص زکوٰۃ فنڈ میں معتد بہ رقم (کسی مقررہ حد سے اوپر) جمع کرائے تو اُس رقم کے نصف کی مقدار میں اس کا انکم ٹیکس معاف کرنے کا اعلان کیا جائے کیونکہ حکومت کو رفاہ عامہ کے لیے اس شخص کی ٹیکس کی رقم سے دگنی رقم مل رہی ہے۔

۵۔ اس کام کے لیے کسی الگ محکمے کی ضرورت نہیں۔ لوگوں کو سہولت دی جائے کہ وہ زکوٰۃ فنڈ کی مخصوص رسیدوں (ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹس کی طرح) کے عوض کسی بھی بنک یا ڈاک خانے میں رقوم جمع کرا سکیں۔

۶۔ تمام رقوم متعلقہ منسٹری کے زیر نگرانی ہوں اور وہ ہر ماہ یا ہر سہ ماہی کی تکمیل پر موصولہ زکوٰۃ فنڈ کا بجٹ بنا کر کیبنٹ کے سامنے پیش کرے کہ یہ فنڈ کن لوگوں میں کس حساب سے تقسیم کیا جائے گا۔

۷۔ جہاں تک مستحقین کی فہرستوں کا تعلق ہے، یہ کام سیاسی لوگوں کے بجائے مساجد کمیٹیوں سے لیا جائے۔ صدر اور سیکرٹری گشت کر کے اور معلومات حاصل کر کے بیواؤں، یتیموں، معذوروں بے روزگاروں، بے وسیلہ مریضوں اور نادار طالب علموں کی فہرستیں تیار کریں۔ یہ فہرستیں ہر مسجد کمیٹی کے سامنے پیش ہوں اور اُن کا جائزہ لینے والے اجلاس کی صدارت خطیب یا امام کرے۔ وہاں نقد وجرح کے بعد ان کو آخری شکل دی جائے۔ جن لوگوں کا اندراج فہرست میں مع ضروری معلومات کے کیا گیا ہو، ان کے نام کارڈ جاری کر دیے جائیں کہ اس کارڈ ہولڈر کو فلاں مجبوری و معذوری کی وجہ سے زکوٰۃ فنڈ میں سے اتنا حصہ پانے کا استحقاق ہے۔

۸۔ شروع میں اگر رقوم بالکل ہی کم موصول ہوں تو حکومت اپنی طرف سے چند لاکھ یا زائد روپیہ

اس میں داخل کرے۔

۹۔ فنڈ کو ضلع وار مستحقین کی تعداد کے لحاظ سے تقسیم کر دیا جائے۔ مثلاً اگر ایک ضلع میں پانچ سو مستحقین ہیں اور اوسطاً پورے ملک میں فی مستحق ۲۵ روپے فی سہ ماہی آتے ہیں تو بارہ ہزار پانسو روپیہ اس ضلع کو الاٹ کر دیا جائے گا۔

۱۰۔ اس اسکیم کے مطابق زکوٰۃ فنڈ جمع کرنے یا خرچ کرنے میں جو بھی لوگ حصہ لیں گے ان کو کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔

۱۱۔ فنڈ اگر کم رہے تو پہلے زیادہ شدید درجے کے ضرورت مندوں کی مدد کرنے تک کام محدود رہے، پھر آمدنی بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کا دائرہ بڑھایا جائے گا۔

۱۲۔ کسی خاص مقررہ مدت ـــــ ایک ماہ یا سہ ماہی یا سال ـــــ کے مکمل ہونے پر زکوٰۃ کے آمد و صرف کے حسابات شائع کیے جائیں۔

ہوسکتا ہے کہ اس سے بہتر نقشۂ کار تجویز کیا جا سکتا ہو۔ بہر حال باقاعدہ اسکیم اور باقاعدہ منصوبہ بندی اور باقاعدہ تحریک و تلقین کے بغیر محض ایتائے زکوٰۃ کی اپیل سے رضاکارانہ فنڈ کچھ بہت زیادہ حاصل نہ ہو سکے گا۔

آخر میں قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ رمضان المبارک آ پہنچا ہے اور یہ مہینہ اپنا احترام چاہتا ہے۔ اس کا اصل احترام یہ ہے کہ روزے رکھے جائیں۔ صدقات کیے جائیں۔ قرآن مجید پڑھا جائے اور اخلاق بلند کیے جائیں۔ مگر احترام یہ بھی ہے کہ برسرِعام روزہ شکنی کا اظہار کوئی نہ کرے، دکاندار بے باکی سے اکل و شرب کا سامان نہ بیچیں، ریڈیو، ٹیلی وژن، کلب وغیرہ رقص و سرود کے مظاہروں سے خالی ہوں۔ کم سے کم پچھلے سال کے معیار کو اگر آگے نہ بڑھایا جا سکے تو اس میں کمی تو ہرگز نہ آنی چاہیے۔